

تذکرہ قرآن

۸۷

الاعلیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

۱۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

سابق سورہ۔ الطارق۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین صبر و انتظار پر ختم ہوئی ہے۔ آپ کو ہدایت فرمائی گئی ہے کہ جو لوگ تمہاری تکذیب پر اڑے ہوئے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے استدراج کے پھندے میں پھنس چکے ہیں، اب ان کے دن گنتی کے ہیں جو وہ پورے کر رہے ہیں۔ ان کو تھوڑی سی مہلت اور دو۔ ان کے طغیان کا انجام ان کے سامنے آیا ہی چاہتا ہے۔ اطمینان رکھو کہ یہ خدا کے قابو سے باہر نہیں جا سکتے۔ وہ ہر طرف سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

اب اس سورہ میں قریش کے ہٹ دھرموں سے صرف نظر کر کے براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا ہے اور آپ کو یہ بشارت دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں ایک ترتیب و تدریج ہے اور یہ ترتیب و تدریج تمام تر اس کی حکمت پر مبنی ہے تو اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہاری سعی با مراد اور اللہ کی نعمت تم پر تمام ہوگی اور بلاہ کی ساری رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ خطاب کی یہ تبدیلی آگے کی سورتوں میں (کم از کم دس سورتوں تک) نمایاں ہے۔ ان میں مخالفین سے کوئی بات کسی گئی ہے تو ضمناً۔ اصل خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے اور مختلف اسلوبوں سے آپ کی وہ تمام الجھنیں دور فرمائی گئی ہیں جو دعوت کے اس مرحلے میں پیش آئیں یا جن کے پیش آنے کا امکان تھا۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے :

(۱-۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی برابر تسبیح کرتے رہنے کی ہدایت اور اس کی ان صفات کی یاد دہانی جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اس کے ہر کام میں ایک ترتیب و تدریج ہوتی ہے۔ جس طرح زمین کی نباتات آہستہ آہستہ ہی گنجان و سرسبز ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کی جسمانی و عقلی صلاحیتیں بھی تدریج کے ساتھ ہی کمال کو پہنچتی ہیں۔

(۶-۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت کہ قدرت کے اسی قانون کے مطابق آپ کے ساتھ بھی معاملہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی جو نعمت، وحی کی صورت میں نازل ہو رہی ہے وہ درجہ بدرجہ نازل ہوگی اور اس اہتمام کے ساتھ آپ کو تعلیم دی جائے گی کہ اس چیز کے سوا جس کو اللہ ہی نظر انداز کرنا چاہے آپ ایک حرف بھی نہ بھولیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر ستر و علانیہ سے باخبر ہے۔ آپ کو جن حالات سے سابقہ ہے یا پیش آئے گا۔ وہ ان سے اچھی طرح واقف ہے۔ مشکلات کے اندر سے آپ کے لیے آسان راہ وہ نکالے گا۔

(۹-۱۳) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہر ایت کہ صدیوں اور ہٹ دھرموں کے زیادہ دوپے ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سنا نہیں چاہتے ان کو سنانا آپ کی ذمہ داری نہیں ہے۔ صرف وہ نہیں گئے جو اللہ اور آخرت سے ڈرنے والے ہیں۔ جو محروم قسمت ہیں وہ اس سے گریز ہی کریں گے اور اپنا انجام دیکھیں گے۔

(۱۴-۱۵) ان خوش بختوں کو بادی فائز المرامی کی بشارت جنہوں نے اپنے کو پاک کیا اور اپنے رب کو یاد کیا اور اس کی نماز پڑھی۔

(۱۶-۱۹) کفار کو خطاب کر کے یہ تنبیہ کہ تمہاری اصلی بیماری یہ ہے کہ تم دنیا کی زندگی اور اس کی لذات کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو اس وجہ سے تمہارے دلوں میں پیغمبر کی باتیں نہیں اترتی ہیں۔ حالانکہ بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے۔ تمام اگلے نبیوں اور صحیفوں کی تعلیم یہی ہے۔

سُورَةُ الْأَعْلَىٰ

مِائَةٌ
آیات: ۱۹

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
 سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ ① الَّذِي خَلَقَ قَسْوَىٰ ② وَالَّذِي
 قَدَّرَ فَهْدَىٰ ③ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ④ فَجَعَلَهُ غُثَاءً
 أَحْوَىٰ ⑤ سُنُقِرُكَ فَلَاتُنْسَىٰ ⑥ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ
 يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ⑦ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ⑧ فَذَكَرْ
 إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ ⑨ سَيَذَكِّرُكَ مَنْ يُغْنِي ⑩ وَيَتَجَنَّبُهَا
 الْأَشْقَىٰ ⑪ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ⑫ ثُمَّ لَا يَمُوتُ
 فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ⑬ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ⑭ وَذَكَرَ اسْمَ
 رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ⑮ بَلْ تُؤَثِّرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ⑯ وَ
 الْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ⑰ إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ⑱
 صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ⑲

اپنے خداوند بزرگ کے نام کی تسبیح کر جس نے خاکہ بنایا پھر نوک پلک سوائے

جس نے مقدر کیا اور ہدایت بخشی اور جس نے نباتات اگائیں پھر ان کو گھنی

سر سبز و شاداب بنایا۔ ۱-۵

ہم تمہیں پڑھائیں گے تو تم نہیں بھولو گے مگر وہی جو خدا چاہے گا۔ وہ جانتا ہے علانیہ کو بھی اور اس کو بھی جو چھپا ہوتا ہے۔ اور ہم تمہیں لے چلیں گے آسان

راہ - ۶ - ۸

پس تم یاد دہانی کرو اگر یاد دہانی کچھ نفع پہنچائے۔ فائدہ اٹھالے گا وہ جس کو ڈر ہوگا اور گریز کرے گا وہ جو بدبخت ہوگا۔ وہ پڑے گا بڑی آگ میں۔ پھر نہ اس میں مرے گا اور نہ جیے گا۔ ۹ - ۱۳

کامیاب ہو جس نے اپنے کو پاک کیا اور اپنے خداوند کا نام یاد کیا اور نماز

پڑھی۔ ۱۲ - ۱۵

پر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور پائدار ہے۔

یہی تعلیم اگلے صحیفوں میں بھی ہے۔ موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں۔ ۱۶ - ۱۹

الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ (۱)

ہم جگہ جگہ واضح کر چکے ہیں کہ لفظ 'سَبِّحْ' میں تزیینہ کا پہلو غالب ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ان تمام باتوں سے پاک اور برتر قرار دینا جو اس کی اعلیٰ شان کے منافی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا صحیح تصور ہی تمام علم و معرفت اور تمام قوت و اعتماد کا سرچشمہ ہے۔ اگر اس میں کوئی خلل پیدا ہو جائے تو انسان صحیح معرفت کی نظر راہ سے ہٹ جاتا اور شیطان کے ہتھے چڑھ جاتا ہے جس کا نتیجہ بالآخر یہ نکلتا ہے کہ اس کا دل ایمان و توکل کی نعمت، طمانیت و شرح صدر کے نور اور عزیمت و استقامت کی قوت سے محروم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کی یاد ہی ہے جو دل کو پا برجا اور مستقیم و مطمئن رکھتی ہے۔ اَللّٰہُ تَطْمِیْنُ الْقُلُوْبِ (الرعد-۲۸، ۲۹)۔

تسبیح کی سب سے اعلیٰ اور معیاری شکل تو، جیسا کہ ہم جگہ جگہ بیان کر چکے ہیں، نماز، بالخصوص شب کی نماز ہے لیکن جس طرح سانس انسان کی مادی زندگی کے لیے ہر وقت ضروری ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی یاد اس کی روحانی زندگی کے لیے ہر وقت ضروری ہے۔ اس وجہ سے صرف نمازوں کے اوقات ہی میں نہیں بلکہ زندگی کی دوسری سرگرمیوں کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے دل کو آباد رکھنا چاہیے تاکہ شیطان کو اس پر غلبہ پانے کا موقع نہ ملے۔ سورہ مزمل کی آیت، اِنَّ لَدٰی فِی النَّہَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا کے تحت اس حقیقت کی ہم وضاحت کر چکے ہیں۔ یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت صبر و استقامت کے حصول کے لیے فرمائی گئی ہے اس وجہ سے یہ اپنے جامع مفہوم ہی میں ہے۔

الَّذِي خَلَقَ مَسْوِي (۲)

اب اس آیت اور آگے کی چند آیات میں خدائے بزرگ کی چند صفات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جن سے حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس کے ہر کام میں ایک ترتیب و تدریج ہوتی ہے جو کیسے کام میں ایک تدریج کی حکمت پر مبنی ہوتی ہے اس وجہ سے بندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے رب کے احکام کی تعمیل میں صبر ہوتی ہے جو اس استقامت کے ساتھ لگا رہے اور یہ امید رکھے کہ جس راہ پر چلنے کا اس نے حکم دیا ہے اس کی آخری منزلت کاکت پہنچے اپنی تمام برکتوں کے ساتھ، بالآخر آگے رہے گی۔ اس میں جو دیر ہوگی وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہوگی ہوتی ہے اور جو مشکلیں پیش آئیں گی ان کے اندر بھی دنیا اور آخرت دونوں کی مصلحتیں مضمر ہوں گی۔

خَلَقَ کے معنی تو پیدا کرنے کے ہیں لیکن کسی چیز کا خاکہ یا پتلا بنانے کے معنی میں بھی یہ آیا خلق

ہے، مثلاً اِنِّیْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الْمَطَّیْنِ كَهَيْئَةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخْ فِیْهِ فَيَكُوْنُ طَیْرًا یَّادُوْنَ
اللّٰهَ (دالِ عسوان - ۲۹:۳) (میں تمہارے لیے پرندے کی شکل پر ایک تپلا مٹی سے بناؤں گا پھر اس میں
پھونک دوں گا تو اللہ کے حکم سے وہ سچ پرندہ بن جائے گا) یہاں یہ اسی معنی میں ہے۔

تسویٰ کے معنی ہیں کسی شے کو ٹھیک ٹھاک کرنا، اس کو ہموار کرنا، اس کے نوک پلک
سنوارنا۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ یہ اسی آخری مفہوم میں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انسان اگر اپنی خلقت
ہی پر غور کرے تو اس کو یہ بات صاف نظر آئے گی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یک بیک نہیں بنا کر رکھا ہے
بلکہ اس قطرے کو گہر بنانے تک بہت سے مرحلوں سے گزارنا پڑا ہے۔ ایک دور وہ ہوتا ہے جب
اس کا ابتدائی خاکہ بنتا ہے پھر آہستہ آہستہ وہ دور آتا ہے جب قدرت اس خاکے میں رنگ بھرتی اور
اس کا موقلم اس کے نوک پلک سنوارتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ قَدَّرْهُدٰی (۳)

یہی حال اس کی توتوں اور ملامتوں کے نشوونما اور اس کے مادی و عقلی عروج کمال کا بھی
ہے۔ قدرت نے اس کی زندگی کو جن چیزوں کا محتاج بنایا ہے ان کے تقاضے بھی اس کے اندر رکھے
ہیں، اس کے اسباب بھی فراہم کیے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھانے کا اس کو سلیقہ بھی الہام فرمایا ہے؛
مثلاً بچے کو دودھ کا محتاج بنا لیا ہے تو اس کی ماں کی چھاتی میں دودھ بھی پیدا کیا ہے اور پھر بچے کو
یہ رہنمائی دی ہے کہ وہ ماں کی چھاتی کو چوسے اور اس سے اپنی غذا حاصل کرے۔

بعد کے دور میں جب اس کی ضروریات کا دائرہ وسیع ہوتا ہے تو ہر ضرورت کے لیے زمین
میں ذخیرے محفوظ ہیں اور خالق نے انسان کو عقل دی ہے کہ وہ ان ذخائر کا سراغ لگائے ان کے
حاصل کرنے کی راہیں کھولے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے طریقے ایجاد کرے۔

اسی طرح اس کی روحانی و اخلاقی ترقی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر خیر و شر کا شعور
و دلالت فرمایا ہے اور پھر اس کی رہنمائی کے لیے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا کہ وہ بتائیں اور دکھائیں
کہ زندگی کا کون سا طریقہ اس کی فطرت کے تقاضوں کے مطابق اور اس کے اختیار کرنے میں اس کی فلاح
ہے اور کون سا طریقہ اس کی فطرت سے بے جوڑ اور اس پر چلنے میں اس کی تباہی ہے۔

ولادت سے لے کر موت تک زندگی کے سارے مراحل و مقامات، تمام اطوار و ادوار اور
جملہ امتحانات و عقبات بھی اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیے ہیں جو لازماً پیش آکے رہتے ہیں۔ پھر ان سے
عہدہ برآ ہونے کا طریقہ بھی اس نے بتا دیا ہے۔ اگر انسان وہ طریقہ اختیار کرتا ہے تو اس کا سفید
سیات ہر منجھار سے سلامتی کے ساتھ گزرتا ہے اور اگر وہ اس سے ہٹ کر اپنی خواہشوں کے پیچھے
لگ جاتا ہے تو یہ چیز اس کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے۔

لفظوں کے اندر یہ تمام معانی مضمون ہیں اور ان کی تفصیل بہت طویل ہے جس کو سمیٹنا ممکن نہیں ہے۔ سورہ طہ کی آیت ۵۰: «قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ» کے تحت بھی ہم اسی مضمون کی وضاحت کر چکے ہیں۔

حَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ۖ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ (۵-۴)

اس ٹکڑے میں ایک ادبی اشکال ہے اس کو پہلے سمجھ لیجیے تب اس کا صحیح موقع و محل واضح ہوگا۔

ایک ادبی اشکال کا

’غُثَاءً أَحْوَىٰ‘ کا ترجمہ عام طور پر لوگوں نے کالا کوٹرا یا سیاہ خس و خاشاک کیا ہے لیکن عربی میں لفظ ’غُثَاءُ‘ تو بے شک جھاگ اور خس و خاشاک کے معنی میں بھی آتا ہے لیکن ’أَحْوَىٰ‘ ہرگز اس سیاہی کے لیے نہیں آتا جو کسی شے میں اس کی کہنگی، بوسیدگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے بلکہ یہ اس سیاہی مائل سرخی یا سبزی کے لیے آتا ہے جو کسی شے پر اس کی تازگی، شادابی، زرخیزی اور جوشِ نموکے سبب سے نمایاں ہوتی ہے۔ یہ نباتات اور باغوں کی صفت کے طور پر بکثرت استعمال ہوا ہے اور بلا استثنا ہر جگہ ان کی سرسبزی کی شدت اور گھنے پن کو ظاہر کرنے ہی کے لیے استعمال ہوا ہے۔ پھر ہمیں سے بطور استعارہ یہ کڑیل، صحت مند گل، ترک صورت کھلے ہوئے جوان کے لیے بھی استعمال ہوا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جن کی صحت بہت اچھی اور ان کے بدن میں خون وافر ہو ان کے ہونٹوں پر سیاہی مائل سرخی نمایاں ہو جاتی ہے چنانچہ مشہور جاہلی شاعر، تابلط شرا اپنے ممدوح کی تعریف میں کہتا ہے:

مسبل فی الحی احوی دفل واذالیغذوا فلیث ابل

(یوں قبیلہ کے اندر تو وہ ایک خوش پوش، سرخ و سپید بانکا چھبیل بنا رہتا ہے لیکن جب

میدان جنگ میں اترتا ہے تو شیر نیتاں بن جاتا ہے)

لفظ ’غُثَاءُ‘ اگرچہ مکھن کے جھاگ اور سیلاب کے خس و خاشاک کے لیے بھی آتا ہے لیکن اس سبب کے لیے بھی اس کا استعمال معروف ہے جو زمین کی زرخیزی کے سبب سے اچھی طرح گھنا اور سیاہی مائل ہو گیا ہو۔ اسٹاڈام فراہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ’مفردات القرآن‘ میں اس کی تائید میں شعر لے جا بلت کے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ ہم بقبید اختصار صرف قطامی کا ایک شعر، جو اس نے ایک ٹادی کی تعریف میں کہا ہے، پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے:

حلوا باخضوقد مالت سراته من ذی غشاء علی الاعراض انضاد

(وہ ایک سرسبز و شاداب دادی میں اترے جس کے بیج گھنے اور شاداب بنے اس کے

کناروں پر باہم دگر گتھم گتھا اور ایک دوسرے پر تہ بہ تہ گرے ہوئے تھے)

آیت زیر بحث میں چونکہ 'عَشَائِرُ' کی صفت 'أَحْوَى' آئی ہے اس وجہ سے لازماً یہ اس دوسرے معنی ہی میں استعمال ہوا ہے ورنہ صفت اور موصوف میں نہایت بھونڈی قسم کی بے ربطی پیدا ہو جٹے گی اس لیے کہ 'أَحْوَى' جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اس سیاہی کے لیے ہرگز نہیں آتا جو کسی چیز میں اس کی گہنگی، فرسودگی اور پامالی کے سبب سے پیدا ہوتی ہے۔ کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہاں موقع کلام بھی، جیسا کہ آگے وضاحت آ رہی ہے، اس مفہوم سے باہر رہا ہے۔

پس 'الدَّخِي' اَخْرَجَ الْمَوْعِي فَبَعَلَهُ عُنَاءَ اَحْوَى کا صحیح مطلب یہ ہوگا کہ اس خداوند کی تسبیح کرو جو نباتات کو زمین سے نازک سونپوں کی شکل میں نکالتا ہے پھر ان کو گھنی اور سیاہی مائل سرسبز و شاداب بناتا ہے۔

سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْسَى ۗ اِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ عَسَآ اَنْتَ يَكْفُرُ بِجَهَنَّمَ وَمَا يَعْصِي (۷-۶)

یہ وہ اصل مدعا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھانے کے لیے اوپر کی تمہید بیان ہوئی ہے یعنی قدرت کا جو قانون تدریج و ترتیب انسان کے خلق اور اس کی تکمیل میں، قوتوں اور صلاحیتوں کو مقدر کرنے اور ان کو بروئے کار لانے میں، سبزے کو اگانے اور اس کو پروان چڑھانے میں کار فرما ہے اسی قانون کے تحت اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ بھی معاملہ کرے گا۔ اس نے تمہیں جس منصب پر مرفراز فرمایا ہے اور جس وحی آسمانی سے نوازا ہے اس کے مطے بالتدریج طے ہوں گے اور جلد وہ وقت آئے گا کہ تم دیکھو گے کہ جس راہ پر تمہیں چلنے کا حکم دیا گیا اس کے تمام عقبات طے ہو گئے اور آخری منزل آگئی۔

حقیقت جو
پیچیدگی سمجھائی
گئی

سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْسَى ۗ یہ آیت بالکل اسی محل میں آئی ہے جس میں سورہ طہ کی آیت ۱۱۱

لَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُقَضِيَ اِلَيْكَ وَاُخْبَرُكَ بِمَا لَسْنَا نَكْتُبُ

لِتَعْجَلَ بِهَا آئی ہیں۔ ہم ان آیات کے تحت نہایت تفصیل سے واضح کر چکے ہیں کہ دعوت کے اس دور

میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جن مخالفتوں اور مزاحمتوں سے سابقہ تھا ان میں آپ کے لیے واحد ہمارا

وہ آسمانی کمک ہی تھی جو وحی الہی کی صورت میں آپ پر نازل ہوئی۔ اسی سے آپ کو قوت و عزیمت

کا زاد راہ ملتا، اسی سے آگے کے لیے رہنمائی حاصل ہوتی، اسی میں مخالفتین کے اعتراضات و

مطالبات کے جواب ہوتے۔ ان گوناگون وجوہ سے آپ کو ہر وقت وحی کا انتظار رہتا اور جب وہ

وحی الہی کے
باب میں آنحضرت
کو ایک خاص
ہدایت

ملے تم قرآن کے لیے اپنی طرف اس کی وحی پوری کیے جانے سے پہلے جلدی نہ کرو۔

نہ تم جلدی کے خیال سے قرآن کے پڑھنے پر اپنی زبان نہ چلاؤ۔

نازل ہوتی تو اس کے اخذ کرنے میں آپ تدریجاً اس بے قراری اور اضطراب و عجلت کا اظہار کرتے جو ایک بھوکا بچہ اس وقت کرتا ہے جب ماں اس کو چھاتی دے لگاتی ہے۔ فرط شوق میں آپ چاہتے کہ پوری وحی ایک ہی سانس میں آپ کے سینہ میں اتر جائے اور چونکہ یہ خالق کائنات کی ایک عظیم امانت بھی تھی جو آپ کی تحویل میں دی جا رہی تھی اس وجہ سے آپ اس کا حرف حرف اپنی زبان مبارک سے دہراتے بھی کہ مبادا کوئی لفظ سا فطرت کی گرفت سے باہر رہ جائے۔

آپ کے اس اضطراب و شوق اور اس عجلت و بے قراری پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی کہ اس وحی کے لیے تم جلد بازی نہ کرو۔ اس کے اترنے کے لیے جو پروگرام ہم نے مقرر کیا ہے اسی کے مطابق یہ اتارے گی اور اسی میں حکمت و مصلحت ہے۔

ساتھ ہی یہ تسلی بھی دے دی کہ اس کی حفاظت کے لیے بھی تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کا ایسا سامان کرے گا کہ تم اس میں سے ایک حرف بھی نہیں بھولو گے۔ سورہ قیامہ میں یہی بات یوں فرمائی ہے:

لَا تُحِزُّكَ بِهِ سَأْتُكَ لَتَعَجَلَ
بِهِ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ
فَاِذَا قَرَأْتَهُ فَاسْمِعْ قُرْآنَهُ
فَتَعْلَمْنَ عَلَيْنَا اٰیَاتَهُ ؕ

(القیامۃ - ۷۵ : ۱۶ - ۱۹)

تم عجلت کے خیال سے اس پر زبان نہ چلاؤ۔
ہمارے ذمہ ہے اس کو جمع کرنا اور اس کو پڑھ
کر سنانا تو جب ہم اس کو پڑھ کے سنا دیں
تو اس سنائے کی پیروی کرو۔ پھر ہمارے ہی
ذمہ ہے اس کی وضاحت۔

اَلَا مَسَا سَاءَ اَللّٰهُ۔ یعنی اس کلیہ سے مستثنیٰ صرف وہ چیزیں ہیں جو وقتی اور منہگامی نوعیت کی ہیں۔ ان کی مدت پوری ہو جانے کے بعد خود اللہ تعالیٰ ہی بتا دے گا کہ ان کی مدت پوری ہو گئی۔ یہ اشارہ ان احکام کی طرف ہے جو وقتی اور عارضی تھے اور جو بعد میں منسوخ ہو گئے۔

اِنَّهُ يَعْلَمُ اَجْمَعَهُ مَا يَخْفٰی یعنی یہ گمان نہ کرو کہ تم جن حالات و مسائل سے دوچار ہو تمہارا صحیح توکل کی
رب ان سے بے خبر ہے۔ وہ بے خبر نہیں ہے بلکہ ان باتوں کو بھی وہ جانتا ہے جو ظاہر ہیں اور تعلیم کے لیے
ان باتوں سے بھی آگاہ ہے جو پوشیدہ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ تمہاری پریشانیوں اور دعائیں سبھی اس خدا کے محیط کیل
کے علم میں ہیں اور دشمنوں کی کھلی ہوئی شرارتیں اور ان کی مخفی سازشیں بھی اس کے علم میں ہیں تو جب
سب کچھ اس کے علم میں ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت اور اختیار بھی رکھتا ہے تو اطمینان رکھو
کہ تمہیں جس قسم کی مدد اور رہنمائی کی ضرورت ہوگی اس سے محروم نہیں رہو گے۔ یہی مضمون سورہ ظلم میں
اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ فرمایا ہے:

لَكَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اِسى کے اختیار میں ہے جو آسمانوں اور زمین میں

وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَاتَحْتَ الثَّرَىٰ ه
 وَإِنْ تَجَاهَدْ بِأَقْوَالٍ فَإِنَّهُ
 يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ ه
 (طہ - ۲۰ : ۲۱ - ۲۰)

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل و اعتماد اس کے محیط کل علم اور اس کی ہمہ گیر قدرت کے استحضار ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

وَيَسْأَلُكَ اللَّيْسُؤَىٰ (۸)

یہ نہایت واضح فظوں میں بتویر صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت ہے کہ یہی دن ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ ہم ای مشکلات سے نکال کر جلد تمہیں آسان راہ پر لے چلیں گے۔ 'لَيْسُؤَىٰ' صفت ہے جس کا مضمون 'خَدِيفَةٌ' یا اس کا ہم معنی کوئی لفظ مخدوت ہے۔ لفظ 'تيسير' کی وضاحت اس کے محل میں ہو چکی ہے کہ یہ کسی چیز کو کسی برتر مقصد کے لیے تیار کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اس سے یہاں یہ اشارہ نکلتا ہے کہ اس وقت تم جن مشکلات میں ہو یہ تمہاری تربیت کے لیے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے ان افضال و عنایات کا اہل اور حق دار بنائے جن سے تمہیں مستقبل میں وہ بہرہ مند فرمانے والا ہے۔ اوپر قَدْ فَهَدَىٰ اور اَخْرَجَ الْمَوْحَىٰ مِنْ جَبَلِهِ مُنَادًا اُخْوَىٰ میں اپنی جس سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ اسی کا اقتضا و بیان ہوا ہے کہ اس وقت راہ میں جو عقبات مائل ہیں وہ سنت الہی کے تحت بغرض امتحان و تربیت ہیں۔ آگے راہ صاف ہے۔ اپنے رب کی رہنمائی پر بھروسہ رکھو۔ یسیر کی منزل عسر کے بعد ہی آتی ہے۔

فَذَكِّرْ لَنْ تُعْبِتَ الذِّكْرَىٰ (۹)

یعنی لوگوں کی مخالفتوں اور ناقدریوں سے بد دل اور مایوس نہ ہو۔ لوگوں کے دلوں میں بات اتار دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے کہ ان کے پیچھے پڑو۔ تمہارا فرض صرف تذکیر ہے۔ جب دیکھو کہ سننے کی طرف مائل ہیں تو سناؤ ورنہ ان کو ان کی تقدیر کے حوالہ کر دو۔

سَيَذَكِّرْ لَنْ يُعْبِتَ ۗ وَيَتَّخِذُهَا لَا شَفِي ۗ الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ۗ
 قَوْلًا يَسُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ه (۱۰-۱۳)

یہ بتایا ہے کہ کون آپ کی بات پر کان دھریں گے اور کس مزاج کے لوگ اس سے گریز کریں گے۔ فرمایا کہ جن کے دلوں میں خدا اور آخرت کا کچھ خوف ہوگا وہ آپ کی بات سنیں گے اور جن کے دل اس خوف سے خالی ہیں ان پر آپ کا انداز بے اثر ہی رہے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو آپ کی دعوت سے بدکرت رہے ہیں ان کے بدکنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس دعوت میں یا اس کے داعی میں کوئی خرابی ہے بلکہ ان

بدکنے والوں کے دلوں میں ہی خرابی ہے۔ وہ اسی دنیا کی زندگی کو کل زندگی سمجھے بیٹھے ہیں۔ آخرت کا کوئی اندیشہ ان کے اندر سرے سے ہے ہی نہیں۔ ایسے محروم القسمت لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑو۔ یہ اس بڑی آگ میں پڑیں گے جو ان کے لیے تیار ہے۔ پھر اس میں نہ یہ مریں گے نہ جنیں گے بلکہ اس کے ابدی عذاب میں گرفتار رہیں گے۔ اس میں وہ موت کی تمنا کریں گے لیکن وہ بھی ان کی پرسانِ حال نہیں ہوگی۔

یہاں اس سنتِ الہی کو ذہن میں تازہ کر لیجیے جس کی وضاحت اس کتاب میں بار بار ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فطرت کے اندر جو فرود ولایت فرمایا ہے جو لوگ اس کو باقی رکھتے ہیں ان کو پیغمبر کی دعوت اپنے دل کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ نور کچھ ضعیف بھی ہو چکا ہوتا ہے جب بھی دیر سویر پیغمبر کے جھنجھوڑنے سے وہ جاگ پڑتے ہیں لیکن جن کے اندر یہ نور بالکل بجھ چکا ہوتا ہے وہ مردوں کے حکم میں ہیں ان کو صوبہ اسرائیل کے سوا اور کوئی چیز بھی نہیں جگا سکتی۔

مذکورہ آیات میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہ بعد والی سورہ ————— القاشیہ ————— میں جو اس کی مثل ہے، زیادہ وضاحت سے آیا ہے۔ فرمایا ہے:

تو یاد دہانی کرو اتم تو میں ایک یاد دہانی	فَمَا كُنْتُمْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ أَنْتُمْ مُكْفِرُونَ
کر دینے والے ہو۔ تم ان پر کوئی دار و نذر تو	كُنْتُمْ عَلَيْهِمْ بِمَعْشِرَتِكُمْ إَكْثَرًا
نہیں ہو (جو ایمان لائے گا وہ فلاح پاٹھے گا)	وَأَلَا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ
رہے جو بیٹھے پھریں گے اور کفر کریں گے تو	فَيَعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ
اللہ ان کو عذاب دے گا بڑا عذاب دہمدا	إِنَّ إِلَيْنَا أَلْيَابَهُمْ
ہی طرف ان کا لوٹنا ہے۔ پھر ہمارے ہی	نُحْدِثُ عَلَيْهِمْ حِسَابَهُمْ

(القاشیہ ۲۱-۲۶)

یہ بات یاد رکھیے کہ یہاں اَلْعَذَابِ الْاَكْبَرِ آیا ہے اور آیت زیر بحث میں اَلنَّارِ الْكُبْرَى ہے یہ ایک ہی بات دونوں ترام سورتوں میں ذرا مختلف الفاظ میں فرمائی گئی ہے۔ اس کی وضاحت ان شاء اللہ اگلی سورہ میں آئے گی۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى ۖ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى (۱۴-۱۵)

ادھر کی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے گریزا اختیار کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا۔ ان لوگوں کا ایسا ہے ان لوگوں کا انجام بیان ہوا ہے۔ فرمایا کہ بے شک ان لوگوں نے فلاح پائی جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تذکیر سے فائدہ اٹھایا اور اپنے آپ کو کفر و شرک کی آلودگی سے پاک کر لیا۔ ان کے لیے دنیا میں بھی فلاح کے ذرا وارے

کھائیں گے اور آخرت میں بھی یہ اپنے رب کی رحمت درضوان سے نوازے جائیں گے۔

وَأَذْكُرُوا اسْمَ رَبِّهِمْ فِي حُجُومِهِمْ عَنِ اسْمَاءِ الْكُفْرَىٰ ۚ وَكَانَ عَنِ اسْمَاءِ الْكُفْرَىٰ كِتَابًا مَّحْذُومًا ۝

ہم اور پر اشارہ کر چکے ہیں کہ تمام علم کا سرچشمہ درحقیقت اسمائے الٰہی ہیں۔ انہی سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہمارے رب کی صفات کیا ہیں اور پھر انہی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان صفات کی روشنی میں ہمارے عقائد کیا ہونے چاہئیں اور وہ عقائد ہمارے اوپر ہمارے رب اور اس کے بندوں سے متعلق کیا حقوق و فرائض عائد کرتے ہیں۔ جو یا نماز کا ذکر یہاں ایمان باللہ کے اولین مظہر کی حیثیت سے ہوا ہے۔ ہم اس کتاب میں جگہ جگہ اس نکتہ کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ایمان کا اولین مظہر نماز ہے اور پھر یہی چیز تمام شریعت کی اساس بھی ہے اور اس کی محافظ بھی۔ اس نکتہ کی مزید تفصیل مطلوب ہو تو سورہ مومنون کی ابتدائی آیات کی تفسیر تدریجاً قرآن میں پڑھ لیجیے۔

بَلْ كُنتُمْ شُرَكَآءَ الْكٰفِرِيْنَ ۗ اَللّٰهُ نَسِيْۤاهُ ۗ وَالْآخِرَةُ حَيْرًاۢ لَّيْسَ (۱۶-۱۷)

یہ آخر میں منافقین یعنی قریش کے لیڈروں کو خطاب کر کے ان کے اصل سببِ مخالفت سے پردہ اٹھا دیا کہ تمہاری ساری مخالفت کی علت محض تمہاری دنیا پرستی ہے۔ تم آخرت کو ماننے اور اس کی خاطر اپنے ناجائز دنیوی مفادات قربان کرنے کے لیے تیار نہیں ہو اس وجہ سے بے نبیاً و شبہات ایجا کرتے اور ان کو پھیلاتے ہو تاکہ اپنے عوام کو یہ فریب دے سکو کہ تمہارے گریز کے لیے فی الواقع کچھ وجوہ ہیں لیکن نادار، یاد رکھو کہ تم اس دنیا کی چند روزہ زندگی کی محبت میں پھنس کر ابدی بادشاہی کھورے ہو! بہتر اور پائیدار چیز آخرت ہے۔ اگر تمہارے اندر سمجھ ہے تو اس کے طالب بنو!

اِنَّ هٰذَا لَمِنَ الْمُنْحَفِ الْاُولٰٓئِ لَا صُحُفٍ اَبْدٰهُم مَّوْسٰی (۱۸-۱۹)

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ تمہیں بتا رہے ہیں یہ کوئی نئی اور ناکھی بات نہیں ہے۔ تمام اگلے نبیوں اور رسولوں نے بھی یہی تعلیم دی ہے کہ اصل زندگی آخرت ہی کی زندگی ہے اور وہاں آدمی کا اپنا ہی عمل کام آئے گا، کوئی دوسرا اس کا بوجھ اٹھانے والا نہیں بنے گا۔ سورہ نجم میں یہی حقیقت یوں بیان ہوئی ہے:

اَمْ لَمْ يَكُنْ اَبْسَافًاۙ صُحُفٍ مَّوْسٰی ؕ اَلَا اَبْدٰهُم مَّوْسٰی وَفٰی ؕ اَلَّا تَسْزُدُوْا زُرَّةًۢ وَّوَدَّ اَخْرٰی ؕ

کیا اس کو اس تعلیم کی خبر نہیں ملی جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے اور ابراہیم کے جس نے ہر بات پر رسی کر دکھائی کہ کوئی جان بھی کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے دوسرے متعدد ذنبیوں کے صحیفے اسفارِ تورات کی شکل میں موجود ہیں۔ ان میں اگرچہ بہت سی تحریفیں واقع ہو چکی ہیں اور ان کی حیثیت تاریخ کی کتابوں سے زیادہ نہیں ہے تاہم ان سب میں توحید اور قیامت کی تعلیم نہایت واضح اور موثر الفاظ میں اتنی کثرت سے موجود ہے کہ جس صحیفہ کو بھی پڑھیے ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذریت کو جو تعلیم دی اگرچہ وہ صحیفہ کی شکل میں نہیں تھی بلکہ زبانی تعلیم تلقین کی صورت میں تھی، لیکن ان کی ذریت کی ایک شاخ یعنی بنی اسرائیل نے اس کو اپنے صحیفوں میں شکل تحریر بھی محفوظ کیا اور ان کے انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے دور میں برابر اس کی یاد دہانی بھی کرتے رہے جس کی ناقابل تردید شہادت آج بھی ان کے صحیفوں میں موجود ہے اور قرآن نے بھی جا بجا اس کا حوالہ دیا ہے۔

آپ کی ذریت کی دوسری شاخ ————— بنی اسمعیل ————— نے اس کو تحریری شکل میں محفوظ نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ تحریر و کتابت سے نا آشنا تھے۔ انھوں نے روایات کی صورت میں اس کو کچھ مدت تک باقی رکھا لیکن امتدادِ زمانہ سے اس پر رفتہ رفتہ ذہول کا پردہ پڑ گیا اور بدعات کے غلبہ نے اس کو بالکل ہی نسیا منیا کر دیا۔ البتہ نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے اس کی نہ صرف از سر نو تجدید ہوئی بلکہ اس کی تکمیل بھی ہوئی اور وہی اس دینِ کامل کی اساس قرار پائی جو اب قیامت تک کے لیے اللہ کا حقیقی دین ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس سورہ کی تفسیر تمام ہوئی۔ فالحمد لله علی

احسانہ۔

لاہور

۲۔ زمبر ۱۹۶۹ء

۱۱۔ ذوالحجہ ۱۳۹۹ھ